فکر و نظر--- اسلام آباد جلد: ۴۲ شمارہ: ۲

ترجمہ قرآن ''موضح قرآن'' کا شاہ رفیع الدین سے انتساب
(ایک تحقیقی جائزہ)

نورالحسن راشد کاندھلوی☆

حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے صاحبزادگان والاشان کی قرآنی خدمات کی فہرست میں اُن کے تراجم قرآنی: ''فتح الرحمٰن''، ''موضح القرآن'' اور ''تفسیر موضح قرآن فتح العزیز'' کا مرکزی مقام ہے، اسی فہرست میں اس ترجمہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت شاہ رفیع الدین کے نام سے معروف ہے، مگر اوّل الذکر ترجموں اور تفسیر اور ترجمہ منسوب شاہ رفیع الدین میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ پہلی تینوں تصانیف و تراجم کی علمی استنادی حیثیت شک و شبہ سے بالاتر ہے، ان کا اپنے مصنفین و مترجمین سے استناد ناقابلِ تردید ہے اور ان کے معتبر و قدیم نسخوں کے علاوہ ان ترجموں کی ان کے مصنفین کرام سے اجازت و روایت کا مستند و معتبر سلسلہ بھی موجود ہے مگر حیرت ہوتی ہے کہ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین ان صفات و محاسن سے محروم ہے اور اپنے ثبوت و استناد کا ہنوز محتاج ہے۔ کیا ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی شاہ صاحبؒ سے معروف نسبت صحیح ہے؟ چند گزارشات توجہ چاہتی ہیں۔

خاندانِ ولی اللٰہی کے ترجموں اور تفاسیر کا تاریخی استنادی مقام و مرتبہ

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے تاریخی استنادی پس منظر کے جائزہ سے پہلے مناسب ہوگا کہ خاندانِ ولی اللٰہی کے اُردو تراجم و تفاسیر کی تاریخی استنادی حیثیت کا اجمالی تذکرہ ہو جائے۔

فتح الرحمٰن: کی تالیف کی مفصل سرگزشت خود حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمائی ہے جس میں اس کا سنہ تالیف (۱۱۵۰ھ تا ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۳۷ء تا ۱۷۴۲ء) مصرح ہے، اس کی وجہ تالیف بھی تحریر فرمائی ہے اس کے لیے خواجہ محمد امین سندھی کی کوشش نیز ان کی کاوش سے اس کے متعدد نسخوں کی تیاری اور ان نسخوں کی پذیرائی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔(۱)

فتح الرحمان کے حضرت مترجم کے زمانۂ حیات اور ان کی وفات (۱۱۷۶ھ-۱۷۶۲ء) کے بعد کے قریبی دور کے نسخے آج تک موجود ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف اور مکتوبات میں اس کا

☆ مدیر، سہ ماہی ''احوال و آثار و مجلّہ صحیفہ نور'' مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ، ضلع مظفرنگر، یوپی-انڈیا

تذکرہ اور حوالہ آیا ہے، شاہ صاحب نے اپنے متعدد شاگردوں کو اس کی اجازت اور سند عطا فرمائی ہے، جن میں سے بعض اصل سندیں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے فرزندان والا شان اور متعدد شاگرد اس کا ذکر کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی اپنی تصانیف و مؤلفات میں فتح الرحمان کا صاف صاف تذکرہ کیا ہے اور اس سے اَخذ و استدلال بھی فرمایا ہے، اس لیے فتح الرحمان کا حضرت شاہ ولی اللہ سے انتساب شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔

تفسیر فتح العزیز: حضرت شاہ عبدالعزیز کی تفسیر فتح العزیز کا بھی یہی معاملہ ہے، اس کی وجہ تالیف اور سنہ تالیف (تقریباً ۱۲۰۸ھ) دونوں معلوم ہیں۔

فتح العزیز شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک نومسلم عزیز شاگرد، شیخ مصدق الدین کی فرمائش پر لکھی تھی۔[۲] حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف و رسائل اور مکتوبات و فتاویٰ میں ''فتح العزیز'' کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب کے مرض وفات بلکہ وفات سے چند لمحے قبل کے احوال و ارشادات میں بھی اس کا تذکرہ آیا ہے۔[۳] نیز متعدد علماء کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے ''فتح العزیز'' کی اجازت حاصل تھی اور وہ اس کو بسند متصل نقل کرتے تھے، یہ سلسلۂ روایت و اجازت دیر تک قائم رہا۔ فتح العزیز کے معتبر اور قدیم ترین نسخے دریافت ہیں۔ نسخۂ مصنف کی نقل یا خود شاہ صاحب کی تحریر سے مزیّن نسخوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ فتح العزیز حضرت شاہ صاحب کی وفات کے نو سال بعد ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں کلکتہ سے شائع ہو گئی تھی۔[۴] اس کے قلمی اور مطبوعہ دونوں نسخے مقبول و معتمد علیہ ہیں۔

تفسیر فتح العزیز کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے اور افادات قرآنیہ بھی موجود و محفوظ ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا ہفتہ میں ایک مرتبہ عمومی درس قرآن کا ہمیشہ معمول رہا۔ جس میں پورے قرآن مجید کا درس کئی مرتبہ مکمل ہوا۔ اس درس کی تقریریں اور افادات ان درسوں میں حاضر متعدد اصحابِ قلم نے قلمبند کیے جن میں سے تین مرتبہ کے علیحدہ درسِ قرآن کے مکمل و مرتب افادات کا سراغ ملتا ہے۔

موضح قرآن: موضح قرآن کی استنادی حیثیت میں بھی کچھ شک و شبہ نہیں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے اس کا انتساب تواتر کے مرتبہ تک پہنچا ہوا ہے۔ موضح قرآن کے آغاز پر مترجم کے نام کی صراحت اور ترجمہ کی تکمیل کا ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) درج ہے۔ ترجمہ کی حد تک کوئی ایک شخص بھی موضح قرآن کے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے انتساب میں شک نہیں کر سکتا۔ نیز کسی بھی کتاب اور تصنیف کرنے کے لیے جو ثبوت و ضوابط مقرر ہیں۔ موضح قرآن ان سب پر صحیح اترتا ہے اور پوری

طرح کامل و مکمل ہے۔

موضح قرآن کے حضرت شاہ صاحب کی حیات (وفات ۱۲۳۰ھ جون ۱۸۱۵ء) میں نقل شدہ کم سے کم چار نسخے اب تک محفوظ ہیں، جن میں ایک نسخہ ایسا بھی ہے جو موضح قرآن کے مکمل ہونے سے صرف تین یا چار ماہ بعد (غالبًا نسخۂ مصنف سے) نقل کیا گیا ہے، اس پر اس نسخہ کے مکمل ہونے کی تاریخ جمادی الثانی ۱۲۰۵ھ (فروری ۱۷۸۱ء) درج ہے۔[۵] نیز موضح قرآن کے قلمی نسخوں کی بہت بڑی تعداد دستیاب ہے۔ تمام معلوم قلمی نسخوں کی فہرست بنائی جائے تو موجودہ قلمی نسخے ستر پچھتر سے کم نہیں ہوں گے۔ بحمداللہ پانچ قلمی (مکمل و ناتمام) نسخے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں۔[۶] موضح قرآن کی موجودہ دور تک حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے سند متصل سے اجازت ثابت ہے۔ خصوصاً حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں ندوی کے توسط سے اس کی اجازت و سند معلوم و متوارث ہے۔[۷] بفضلہٖ تعالیٰ خود ہمارے خاندان اور گھرانے میں بھی اس کا سلسلہ جاری تھا اور سندیں بھی معلوم ہیں۔

موضح قرآن سب سے پہلے کلکتہ سے چھپا تھا، اس کا قلمی نسخہ مولوی سیّد عبداللہ بن سیّد بہادر علی نے اس وقت خریدا تھا، جب حضرت سیّد احمد شہید کا قافلہ (جس میں مولانا عبدالحئیؒ بڈھانویؒ اور شاہ محمد اسماعیل وغیرہما، خاندانِ ولی اللٰہی کے بڑے بڑے نمائندے بھی شامل تھے) حج کے لیے جاتے وقت (اواخر ۱۲۳۷ھ، اگست-اکتوبر ۱۸۲۲ء) کلکتہ سے گزرا تھا، اسی نسخہ کی مدد سے سیّد عبداللہ نے موضح قرآن اپنے مطبع ''احمدی'' کلکتہ سے (۱۲۴۵ھ، ۳۰-۱۸۲۹ء) میں شائع کر دیا تھا۔[۸]

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی تاریخی استنادی حیثیت پر ایک نظر

مذکورہ بالا تینوں بنیادی اور اہم ترین قرآنی خدمات کے علاوہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ اور خاندان ولی اللٰہی کے علمائے کرام کی ترجمہ و تفسیر اور علوم القرآن پر متعدد چھوٹی بڑی مؤلفات اور کتب موجود و معلوم ہیں، تقریباً ان سب کی اصل اور سند موجود ہے، ان میں سے اکثر کے معتبر تاریخی ثبوت اور ان کے قدیم ترین مستند قلمی نسخے موجود ہیں۔ مطبوعہ نسخوں کی علمی اساس بھی دریافت کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس شاندار علمی، تاریخی پس منظر میں جب ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین پر نظر جاتی ہے تو اس کا حال خاندان ولی اللٰہی کے تراجم و تفاسیر سے خاصا مختلف اور تاریخ و سند کے لحاظ سے کمزور بلکہ مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔

خاندان ولی اللٰہی کی اکثر تصانیف خصوصاً قرآنی خدمات کے وقیع تاریخی پس منظر سے قطع نظر

محققین اور اہلِ نظر علماء نے کسی تحریر و تصنیف کی کسی عالم اور مصنف سے نسبت اور اس کے قلمی نسخوں کی اصلیت جانچنے کے لیے چند اصول و ضوابط متعین کیے ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ نسخۂ مصنف کی دریافت، اس کا استناد اور اس سے مطابقت۔

۲۔ ایسا نسخہ جو مصنف کے حلقۂ درس میں پڑھا گیا ہو۔

۳۔ ایسا نسخہ جو نسخۂ مصنف کی نقل ہو۔

۴۔ نسخۂ مصنف کی ایسی مستند اور معتبر نقلیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

۵۔ اس کتاب یا ترجمہ کے متعلق مصنف یا مترجم کی اپنی تحریرات، مکتوبات و مؤلفات وغیرہ جن میں اس تالیف یا خدمات کا ذکر آیا ہو۔

۶۔ مصنف کے شاگردوں یا مصنف سے اس کتاب کے پڑھنے کی اجازت اور سندِ روایت۔

۷۔ مصنف و مترجم کے شاگردوں، اہل خاندان یا معتبر معاصرین کی تصدیق و اطلاع۔

۸۔ وہ قرائن یا ضمنی اطلاعات و روایات جن سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ فلاں وقت میں فلاں عالم یا مصنف یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔

۹۔ کتاب کا وہ نسخہ جو مصنف کے اعزہ یا معتبر متعلقین کے ذریعہ سے یا دیگر معتبر ذرائع سے چھپا ہو۔

اس کے علاوہ بھی چند اصول و ضوابط ہیں جن کے ذریعہ سے کسی مصنف کی کسی سے نسبت اور وابستگی کی تصدیق کی جا سکتی ہے، ان قواعد و ضوابط اور دریافت قرائن و شواہد کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ اس معروف ترجمہ کی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب سے کیا نسبت ہے؟

۱۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے آغاز پر تمہید یا آخر میں ایسی تحریر یا اختتامیہ درج نہیں ہے، جس سے اس ترجمہ کی وجہ تالیف یا زمانۂ تالیف کا علم ہو، یا یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے اس ترجمہ کی کیوں زحمت فرمائی؟ جبکہ ان کے عزیز بھائی حضرت شاہ عبدالقادرؒ یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔

۲۔ اس ترجمہ کے کسی ایسے نسخہ کا اب تک سراغ نہیں ملا جو حضرت شاہ رفیع الدین کے قلم سے ہو یا شاہ صاحب کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہو، یا شاہ صاحب کی مجلس درس میں پڑھا گیا ہو، یا اس پر شاہ صاحب کی تحریر و توثیق درج ہو، یا شاہ صاحب کی زندگی میں نقل کیا گیا ہو۔ یا اس پر کوئی ایسی تحریر و کلمات درج ہوں جن میں اس ترجمہ کی شاہ صاحب سے نسبت کی تصدیق کی گئی ہو یا شاہ صاحب

کے حوالہ سے یہ نسخہ ان کے کسی معتمد علیہ شاگرد نے نقل کیا ہو۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنی تصانیف و مؤلفات میں اپنا نام یا ان مؤلفات کا سنِ تالیف لکھنے سے احتیاط و احتراز فرماتے ہوں، شاہ صاحب کی متعدد تالیفات کے آغاز پر شاہ صاحب کا نام نامی اور آخر میں تاریخ تالیف یا سنِ تالیف درج ہے[۹] اور ایسا بھی نہیں ہے کہ شاہ رفیع الدین کی تصانیف و رسائل کے شاہ صاحب کے نوشتہ نسخے معدوم ہوں، یا شاہ صاحب کی زندگی میں لکھی ہوئی ان کی نقول موجود نہ ہوں۔

شاہ رفیع الدین کی بعض تصانیف کے ایسے قلمی نسخے اب تک موجود ہیں جو خود حضرت شاہ رفیع الدین کے قلم سے ہیں، نیز حضرت شاہ رفیع الدین کے قلم سے حضرت شاہ ولی اللہ کی بعض تالیفات بھی ہنوز موجود ہیں۔ شاہ رفیع الدین کے نوشتہ اور رسائل و تحریرات کا بھی سراغ ملتا ہے۔[۱۰-الف] شاہ رفیع الدین کی تالیفات کے ایسے مجموعے یا نسخے بھی دستیاب ہیں جو شاہ صاحب کی حیات (وفات: ۱۲۳۳ھ) میں لکھے گئے تھے۔ ترجمہ قرآن مجید تو ایک بڑا کارنامہ تھا، اگر شاہ صاحب نے یہ خدمت انجام دی ہوتی تو اُمید تھی کہ وہ اس پر بھی اپنے والد ماجد صاحب اور محترم بھائیوں کی طرح اپنا نام لکھتے اور اس خدمت کے انجام دینے کی وجہ تحریر فرماتے۔

۴۔ اس ترجمے کا شاہ رفیع الدین کی اور تحریرات و تصانیف میں بھی (جو تقریباً بیس سے زائد ہیں) کچھ ذکر اور حوالہ نہیں ملتا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نیز حضرت شاہ عبدالقادر کے علاوہ خاندان ولی اللہی کے متأخر علماء بھی اس کا تذکرہ نہیں فرماتے، شاہ رفیع الدین کے معاصرین بھی اس کے احوال سے خاموش ہیں اور شاہ رفیع الدین کے کسی شاگرد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

۵۔ خاندان ولی اللہی کے تراجم اور تصانیف و مؤلفات کے برعکس اس ترجمہ کی حضرت مؤلف سے قرأت و سماعت اور اجازت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ جناب مؤلف سے اس کی نقل لی گئی ہو اس کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ حالانکہ شاہ رفیع الدین کی قرآن پاک کی بعض آیات کی شرح و تحقیق میں جو چند تالیفات و رسائل ہیں شاہ صاحب سے ان کی اجازت اور سندیں اب تک موجود ہیں اور ان رسائل کے قدیم اور معتبر نسخے بھی دریافت ہیں، نیز شاہ رفیع الدین کے رسائل متعدد، معتبر قلمی مجموعے موجود ہیں اور بعض تالیفات و رسائل خود شاہ صاحب کے قلم کے موجود ہیں یا شاہ صاحب کی ان پر اجازت و تحریر ثبت ہے۔

۶۔ اگر شاہ رفیع الدین صاحب نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا تھا تو شاہ صاحب کی اپنی تحریر و فتاویٰ

میں اس کا حوالہ و تذکرہ ہونا چاہیے تھا، نیز اس خاندان کے اور علماء کی تحریرات میں اس کا ذکر آنا چاہیے تھا۔

۷۔ کچھ تو وجہ ہے کہ اس خاندان سے محبت وتعلق اور تلمذ و ارادت رکھنے والے علماء اور اہل فضل و کمال جو اس خاندان کے علماء کی چھوٹی، چھوٹی تحریروں کو آنکھوں سے لگاتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی ایک ایک سطر کی قدر کرتے، اس کی نقل لیتے، خود محفوظ رکھتے اور تحفۂ اہلِ علم اور اپنے دوستوں کو بھیجتے تھے، یہ بھی اہتمام تھا کہ ان تمام بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی تالیفات اور رسائل وتحریرات کو ان کے مصنفین کے سامنے پڑھتے، اپنے نسخہ کا نسخۂ مؤلف سے مقابلہ کرتے اور موقع ملتا تو حضرت مصنفؒ سے اس کی اجازت لیتے تھے۔ (اس خاندان کے علماء کی تحریروں کی پسندیدگی اور قدردانی کا یہ سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ بلکہ ان کے والد ماجد اور عم مکرم سے لے کر اس خاندان سے وابستہ آخری بڑے عالم اور محدث، مولانا، مفتی عبدالقیوم کے عہد تک جاری رہا) لیکن اس وسیع و طویل سلسلہ میں ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی نقل اور اجازت و روایت کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا، حالانکہ خاندانِ ولی اللّٰہی میں شاہ عبدالعزیز کے بعد سب سے زیادہ شاگرد شاہ رفیع الدین صاحب ہی کے تھے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں کی اس بڑی جماعت میں سے کسی ایک شاگرد کی بھی اس ترجمہ سے وابستگی اور اس کی خدمت وتعلیم کا سراغ نہیں ملا۔

۸۔ اس دور کی مؤلفات و کتب میں ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کا جو تذکرہ آیا ہے وہ عموماً اس ترجمہ کی پہلی اشاعت کے بعد کا ہے۔ راقم سطور کو خاصی تلاش و جستجو کے باوجود حضرت شاہ رفیع الدین کے عہد اور اس طباعت سے پہلے کے کسی نسخہ یا روایت و اطلاع کا سراغ نہیں ملا۔

۹۔ یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے کہ برصغیر کے تمام دینی، علمی طبقوں میں زمانہ قدیم سے موضح قرآن کی جو اہمیت رہی ہے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کو اس کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں، موضح قرآن کی درس وتعلیم کا ہمیشہ معمول اور اہتمام رہا ہے، اکثر مترجمینِ قرآنِ مجید مفسرین اور علماء کرام نے اپنے تراجم و تفاسیر میں موضح قرآن سے جس قدر استفادہ کیا ہے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین سے استفادہ کا اس قدر اہتمام نہیں ہوا، کم ہی علماء ہیں جنہوں نے اپنے تراجم کے لیے اس ترجمہ کو اساس و بنیاد بنایا ہو۔ اگر یہ ترجمہ واقعتہً خاندان ولی اللّٰہی کا ہوتا تو ایک ترجمہ کی کس قدر پذیرائی اور دوسرے سے تقریباً بے اعتنائی کیوں ہوتی۔

۱۰۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے قلمی جتنے بھی نسخے ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسا نسخہ ہو

جس پر ۱۲۳۰ھ سے ۱۲۴۰ھ کے درمیان کی تاریخ کتابت درج ہو، اس طرح کے ایک، دو نسخوں کا بعض فہرستوں میں تذکرہ ملتا ہے مگر فہرست نگاروں نے ان کے جو سنینِ کتابت نقل کیے ہیں وہ ظنی اور قیاسی ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہیے کہ بعض مورخین اور تذکرہ نگاروں خصوصاً اُردو زبان و ادب اور اس کے مورخین نے اس ترجمہ کو موضح قرآن سے پہلا قرار دیا ہے(۱۰-ب) مگر کسی نے بھی اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا اور موضح قرآن سے مقدم ہونے کی کوئی قابل قبول وجہ بھی نہیں لکھی بلکہ ایسا کوئی قرینہ بھی ذکر نہیں کیا جس سے ان کی رائے کی توثیق ہوتی ہو اس لیے یہ اطلاعات و تحریرات بھی محتاج ثبوت ہیں اور ان سے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی قدامت اور استناد ثابت نہیں ہوتا۔

اس ترجمہ کے قدیم اور معتبر خطی نسخوں کا فقدان

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے قدیم ترین خطی نسخے کا (غالبیات کے مشہور محقق) جناب کالی داس گپتا رضا بمبئی کے ذاتی کتب خانہ کے حوالہ سے تذکرہ کیا جاتا ہے مگر یہ اطلاع صحیح نہیں ہے، کالی داس صاحب کے کتب خانہ میں موضح قرآن کا ایک قلمی نسخہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب کی حیات کا لکھا ہوا ہے۔ شاہ رفیع الدین سے منسوب ترجمہ کا کوئی نسخہ ان کے ذخیرہ میں موجود نہیں تھا، کالی داس گپتا صاحب نے میرے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ:

> ’’میرے کتب خانہ میں جو قلمی نسخہ ہے وہ شاہ عبدالقادر (صاحبؒ) کا ہے، ترجمہ شاہ رفیع الدین کا قلمی نسخہ میرے یہاں کبھی نہیں تھا‘‘۔

موضح قرآن کے اس نسخہ کا کالی داس صاحب کے ایک انٹرویو میں بھی تذکرہ آیا ہے۔[11] ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے جو قلمی نسخے راقم سطور کے علم و نظر میں ہیں، ان کا ایسا کوئی پہلو یا اہمیت نہیں ہے کہ اس کا یہاں ذکر کیا جائے۔

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے متعلق سیّد عبدالرزاق صاحب، مرتب تفسیرِ رفیعی کی اطلاع پر ایک نظر:

جب ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کئی مرتبہ شائع ہو چکا تھا اس وقت پہلی مرتبہ یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ ترجمہ سیّد نجف علی خاں معروف بہ ’’فوجدار خاں‘‘ نے شاہ رفیع الدین صاحب سے پڑھ کر اور سن کر قلم بند کیا تھا۔ سیّد عبدالرزاق خلف سیّد نجف علی معروف بہ ’’فوجدار خان‘‘ نے لکھا ہے کہ:

''والد بزرگوار میرے نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل واقف علوم معقول و منقول، خلاصۂ علماء متأخرین، مولوی رفیع الدینؒ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبانِ اُردو میں لکھوں، پھر اس کو آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح مرتب ہوا اور رواج پایا۔ اسی صورت سے تفسیر سورہ بقرہ کی بطور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و مصرح لکھی تھی''۔ (۱۲)

اگر یہ ترجمہ سیّد نجف علی کی خواہش پر یا ان کی کوشش سے مرتب اور مکمل ہوا تھا تو یہ سیّد نجف علی کے لیے بڑا اعزاز و امتیاز تھا۔ اگر تواضع یا اخلاص کی وجہ سے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا تو حضرت شاہ صاحب کے شاگرد اور قدرداں اس سے کیوں بے خبر رہے۔ نیز سیّد عبدالرزاق صاحب کی یہ اطلاع بھی محتاج ثبوت ہے کہ سیّد نجف علی شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے، انہوں نے شاہ صاحب سے کب پڑھا، ان کے رفقائے درس کون کون اصحاب تھے اور حضرت شاہ صاحب نے ان کو کن کتابوں کی اجازت و سند سے نوازا، اس کا بھی تذکرہ نہیں ملتا، اور اگر یہ اطلاع درست ہے تو اس کا اس ترجمہ کے قلمی نسخوں میں ذکر کیوں نہیں آیا اور جب سیّد نجف علی نے اس ترجمہ کا نسخہ عام کیا تو اس کے آغاز پر یہ اطلاع کیوں درج نہیں کی نیز اس ترجمہ کے جملہ ناقلین و ناشرین اس بڑی حقیقت سے کیوں بے خبر رہے اور دیگر مراجع اس ترجمہ کے تذکرہ سے کیوں خاموش ہیں۔؟؟

نیز مذکورہ بالا روایت کی کسی اور ذریعہ سے تصدیق بھی نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کی اس صراحت اور اعلان کے باوجود اس تفسیر و اشاعت کو معمولی پذیرائی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ خاص و عام کسی نے بھی اس کو خاص اہمیت کے ساتھ نہیں پڑھا اور غالباً اس کی دوسری اشاعت کا بھی موقع نہیں آیا، خاندان ولی اللّٰہی کے علماء کی تصانیف و تفاسیر میں اس کا بہت کم ذکر آتا ہے خصوصاً وہ علماء جو اس خانوادے کے علمی مقام و مرتبہ سے واقف ہیں اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ خانوادۂ ولی اللّٰہی کے متأخر اصحاب اور اس خاندان سے وابستہ علماء نے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین اور تفسیر رفیعی کے نقل یا درس و تعلیم کا اہتمام کیا ہو، اس کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی۔

اور اگر یہ اطلاع صحیح بھی ہو تو اس وقت بھی اس ترجمۂ شاہ رفیع الدین کہنا صحیح نہ ہوگا وہ استنادی حیثیت اور مرتبہ تو ہرگز ہو ہی نہیں سکتا جو حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادر کے ترجموں

کا ہے۔

ایک عام قاری کو یہاں یہ خیال یا بدگمانی بھی ہوسکتی ہے کہ سیّد عبدالرزاق صاحب نے جب یہ دیکھا کہ ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین کے نام سے چھپنا شروع ہوا ہے جس کی استنادی حیثیت اور پس منظر معلوم نہیں تو اس کام کے حوالے سے اپنی شہرت اور استناد کی کوشش کی اور اپنے مرحوم والد کی نسبت سے تفسیرِ رفیعی کا اعلان کر دیا۔ تفسیر سورہ بقرہ کے سلسلہ میں بھی سیّد نجف علی کی اطلاع مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت شاہ رفیع الدین کی تفسیر سورہ بقرہ یا اس کے مفصل اُردو حاشیہ کا سیّد عبدالرزق کے علاوہ کوئی اور تذکرہ نہیں کرتا۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب نے سورہ بقرہ پر کچھ حواشی اور توضیحات قلم بند فرمائی تھیں مگر وہ افادات فارسی میں ہیں اور اس کے کم سے کم دو قلمی نسخے بھی موجود ہیں[۱۳] مگر مجھے افادات سورہ بقرہ کے فارسی نسخوں سے استفادہ کی سعادت نہیں ملی، اس لیے یہ عرض کرنا ممکن نہیں کہ سیّد عبدالرزاق کے شاہ صاحب کے حوالہ سے مرتبہ و مؤلفہ حواشی اور فارسی افادات میں کیا اتفاق و اختلاف ہے۔ تاہم ممکن ہے کہ سیّد عبدالرزاق صاحب نے اس ترجمہ کے لیے شاہ صاحب کے سورہ بقرہ کے فارسی حواشی سے استفادہ کیا ہو، یا اس کا اُردو ترجمہ کر کے تفسیر رفیعی نام رکھ دیا ہو۔ اس لیے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی طرح تفسیر رفیعی کے حضرت شاہ صاحب سے انتساب پر تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے، صرف عبدالرزاق صاحب کی اطلاع کی وجہ سے اس پر کامل اعتماد درست نہ ہوگا۔

اس ترجمہ کی پہلی اشاعت

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین سب سے پہلے مطبع ''اسلام'' (مرزا پور) کلکتہ سے عبدالعزیز نامی کسی شخص کی کوشش و اہتمام سے چھپا تھا۔ صحت و درستگی کی خدمت مولانا احمد کبیر مجددی اور حافظ مرتضٰی نے انجام دی تھی، اس ترجمہ کا پہلا حصہ ۱۲۴۵ھ (۱۸۳۸-۳۹ء) میں دوسرا حصہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰-۴۱ء) میں شائع ہوا۔ پہلی جلد کے آغاز پر لکھا ہے:

> ''للہ الحمد کہ پہلی جلد قرآنِ مجید کی جو مبین غوامض آیات الٰہی حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے زبانِ سلیس ہندی میں رعایت لفظوں کے ترجمہ کی تھی اور واسطے عربی نہ جاننے والوں کو بہت مفید ہے، سو اب تک چھاپی نہ گئی تھی، اب اس لیے کہ اس سے سب خاص و عام کو فائدہ حاصل ہووے''۔[۱۴]

یہی اطلاع دوسری جلد کے شروع میں کسی قدر وضاحت سے درج ہے۔ اس کی بھی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''بندہ ناچیز عبدالعزیز خدمت میں سب بھائیوں ایمان والوں کے عرض کرتا ہے کہ ترجمہ کلام اللہ کا زبان اُردو میں کیا ہوا وحید عصر، فرید دہر، زبدۂ محققین مولانا رفیع الدین مرحوم و مغفور کے فضل صمدیت واہب و مہربانی، امداد نور علی خاں صاحب کے سے اور اعانت تصحیح حاجی حرمین شریفین، مقبول بارگاہ رب المشرقین فاضلِ بے نظیر جناب مولوی حاجی حافظ اُحمد کبیر و حافظ محمد مرتضٰی کے قالبِ طبع میں لایا''۔(۱۵)

مگر دونوں جلدوں میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ ناشر کے سامنے جو نسخہ تھا اس کی استنادی حیثیت کیا ہے اور اس کا حضرت شاہ صاحب (رفیع الدین) سے انتساب کس وجہ سے درست سمجھا گیا۔

کلکتہ کی دوسری طباعت اور اشاعتِ دہلی

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کلکتہ کی مذکورہ طباعت کے فوراً بعد ایک مرتبہ اور چھپا تھا اس طباعت کا شیخ ریاض الدین مقیم کلکتہ نے اہتمام کیا تھا، اس کا سنِ طباعت بھی ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۱ء) ہی ہے۔ کلکتہ کی اس دوسری طباعت کا چربہ (Re-Print) دہلی کے ایک مشہور شیعہ مؤلف اور ناشر مولوی باقر حسین نے اپنے پریس دہلی اُردو اخبار پریس سے چھپایا تھا، مگر اس نسخہ میں اور تفصیلات کا تو ذکر ہی کیا۔ مترجم کا نام بھی درج نہیں اور اس ترجمہ کی اشاعت کی وجہ بھی بیان نہیں کی گئی، اس اشاعت کے اختتام پر صرف یہ ایک مختصر فقرہ درج ہے:

''دہلی اُردو اخبار دہلی؛ باہتمام سیّد معین الدین کے چھاپا ہوا''(۱۶)

یہ فقرہ ایک بڑی سیاہ مہر کے دونوں طرف چھپا ہوا ہے، مہر درمیان میں ثبت ہے، اس مہر میں یہ الفاظ درج ہیں:

''نام کاتب حافظ غلام محی الدین ساکن گجرات، چھاپنے والا شیخ ریاض الدین کلکتہ، سنہ ہجری ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۴۱ء''۔(۱۷)

اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ دہلی اُردو اخبار کی یہ اشاعت نسخہ کلکتہ (طبع دوم) کی جوں کی توں نقل ہے۔ نسخہ مطبوعہ دہلی چھ سو بتیس (۶۳۲) صفحات پر مشتمل ہے، اس کے حاشیے پر مختصر

فوائد بھی ہیں جو موضح قرآن سے لیے گئے ہیں۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

یہاں نسخہ دہلی کی اشاعت کے چند پہلوؤں پر نظر ڈال لینی مناسب ہوگی۔

۱۔ اس پریس سے جہاں سے یہ ترجمہ شائع ہوا ''دہلی اُردو اخبار'' بھی چھپتا تھا، اس کی مناسبت سے اس کو دہلی اُردو اخبار پریس کہتے تھے، اس پریس میں ۱۸۴۰ء (اُواخر ۱۲۵۵ھ) کے آغاز تک شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کے بھی چند نسخے فروخت کے موجود تھے۔[۱۸]

دہلی اُردو اخبار پریس نے قرآن شریف کا ایک اور ترجمہ بھی چھاپا تھا، یہ ترجمہ اس وقت شیعہ مسلک کے ایک باحیثیت و ذی ثروت رہنما حامد علی خاں نے ہم مسلکوں کے لیے کرایا تھا، دہلی اُردو اخبار کی ۱۸۴۰ء کی اشاعتوں میں مہینوں تک اس ترجمہ کا اشتہار چھپا، جس کے الفاظ یہ ہوتے تھے:

> ''قرآن (کریم) جو ترجمہ کروایا ہوا حامد علی کا تیار ہو چکا ہے اور محشّٰی ہے قیمت ہدیہ اس کی''۔[۱۹] حامد علی خاں نے یہ ترجمہ کب اور کس سے کرایا تھا اور پہلی مرتبہ کہاں چھپا تھا اس کا تعارف مجھے نہیں ملا، یہ اطلاع اس لیے ضروری تھی کہ آئندہ بحث و گفتگو کا اس سے کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے۔

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین مطبوعہ دہلی اُردو اخبار کی ۱۸۴۰ء کی فائل کی اطلاع میں ایک بڑی الجھن ہے، جس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہ یہ ہے کہ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے آخر میں جو عبارت چھپی ہوئی ہے، اس میں طبع کلکتہ کا ۱۸۴۱ء (۱۲۵۷ھ) اور دہلی اُردو اخبار پریس، باہتمام سیّد معین الدین ایسا صاف اور واضح چھپا ہوا ہے کہ اس میں فکر و تأمل کی ذرا بھی گنجائش نہیں، لیکن معاملہ اس قدر صاف نہیں ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے، بہ ظاہر اس میں کچھ التباس ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیّد معین الدین نے دہلی اُردو اخبار اور اپنا یہ پریس وسط اگست ۱۸۴۰ء میں فروخت کر دیا تھا اسی لیے دہلی اُردو اخبار کی ۲۳/اگست ۱۸۴۰ء (۲۴/جمادی الثانی ۱۲۵۶ھ) کی اشاعت سے اس پر ''باہتمام موتی لعل پبلشر کا'' اعلان یا پرنٹ لائن چھپنے لگی تھی،[۲۰] دہلی اُردو اخبار کی اس وقت سے ۱۸۵۷ء تک کی اکثر مطبوعات پر بحیثیت ناشر موتی لعل کا نام چھپا ہوا ہے، اس لیے ۱۸۴۱ء کے مطبوعہ ترجمہ پر سیّد معین الدین کا نام غلط ہے۔

یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ سیّد معین الدین سے یہ اخبار اور پریس خریدنے والے مولوی باقر حسین (اُردو کے مشہور مصنف اور ادیب مولوی محمد حسین آزاد کے والد) شیعہ مسلک کے فروغ اور اشاعت میں دلچسپی رکھنے والے شخص کی حیثیت سے مشہور تھے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے لیے اپنے

اس پریس کا نام بھی ''مطبع جعفریہ'' رکھا تھا، جو اگرچہ بعد میں دوبارہ اُردو اخبار پریس کر دیا گیا تھا۔[۲۱]

یہ پریس ایک امام باڑہ میں واقع ہے، بعد میں جو کتابیں اور اخبارات اس پریس سے چھپے اُن میں یہ تصریح موجود ہے:

''دہلی اُردو اخبار پریس، مکان متعلقہ امام باڑہ، موقوفہ مولوی محمد باقر حسین صاحب واقع گذار اعتقاد خاں''[۲۲]

بعض کتابوں میں متصل پنجہ شریف بھی چھپا ہوا ہے،[۲۳] یعنی مولوی باقر حسین کا مذہبی رنگ ایسا پختہ تھا کہ وہ امام باڑہ میں رہتے تھے، وہیں ان کا پریس تھا، وہیں سے اُردو اخبار بھی چھپتا تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا گہرا مذہبی شخص اور شیعہ عالم جانتے بوجھتے حضرت شاہ رفیع الدین کا ترجمہ کیوں شائع کرے گا، جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت شمالی ہندوستان خصوصاً دہلی اور اطرافِ دہلی میں شیعہ سنی اختلاف زوروں پر تھے۔ دونوں طرف سے مناظروں کا بازار گرم اور تصانیف و مؤلفات کا سلسلہ جاری تھا ایسے میں کسی شیعہ ادارے کی طرف سے حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ کی اشاعت غیر متوقع سی بات ہے۔ شاید یہ سارا عمل ترجمہ کی زیادہ سے زیادہ فروخت کے لیے کیا گیا ہو۔

دہلی کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں (یعنی آخری صفحہ پر) درج کلکتہ کی طباعت کے سن اشاعت سے یہ بھی واضح ہے کہ دہلی کا مطبوعہ نسخہ ۱۸۴۱ء کے اواخر (یا ۴۳-۱۸۴۲ء) کا چھپا ہوا ہے اور یہ صراحت گزر گئی ہے کہ اس وقت سیّد معین الدین کا دہلی اُردو اخبار پریس سے کچھ تعلق نہیں تھا۔ ۱۸۴۰ء کے آخر سے ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) تک یہ اخبار اور پریس مولوی محمد باقر اور ان کے بیٹے مولوی محمد حسین آزاد کی ملکیت تھا جو ۱۸۵۷ء کی تحریک میں ختم اور برباد ہو گیا تھا۔ بہرحال اس مطبع سے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی اشاعت کی کسی خاص وجہ کے بغیر نہیں ہوئی ہوگی۔

اس ترجمہ کی دہلی اور کلکتہ کی اشاعتوں کے بعد کی غالبًا ابتدائی طباعت مطبع مصطفائی کانپور کی ہے، مطبع مصطفائی اس دور کے مشرقی یوپی اور اودھ کے سب سے بڑے تاجر اور ناشرِ کتب حاجی محمد مصطفیٰ خان کی یادگار تھا، جس کی کتابیں ہندوستان کے کونے کونے میں جاتی تھیں اور ان کی افغانستان اور ترکستان وغیرہ مسلم ممالک میں بھی بڑی مانگ تھی۔ اس اشاعت کے بعد یہ ترجمہ گویا پورے ملک میں پھیل گیا، اس شہرت و مقبولیت کو مطبع مجتبائی دہلی میرٹھ کی اشاعتوں نے اور جلا بخشی۔

مطبع مجتبائی نے اس ترجمہ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ فتح الرحمان، شاہ عبدالقادر کے موضح قرآن تفسیر حسینی، تفسیر یعقوب چرخی اور افادات بحرالعلوم (مولانا غلام مصطفیٰ تھانیسری) کے ساتھ چھوٹی بڑی تقطیع پر کئی طرح سے شائع کیا۔ یہ اشاعتیں معمولی وقفہ سے مسلسل نکلتی رہیں، جس کی وجہ سے یہ ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی صف میں شامل سمجھ لیا گیا اور اس وقت سے ان دونوں ترجموں کی ایک ساتھ اشاعت کا سلسلہ چل نکلا، جو آج تک جاری ہے۔ اس ترجمہ کی فتح الرحمان اور موضح قرآن کے مسلسل اشاعتوں کی وجہ سے اس کے حضرت شاہ رفیع الدین سے انتساب پر گویا مہر لگ گئی۔ اس ترجمہ کی شاہ رفیع الدین سے نسبت پر اگر کسی کو شک و شبہ بھی ہوگا تو وہ ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ کی اشاعت کے بعد تقریباً کالعدم ہوگیا۔

ڈپٹی صاحب کا ترجمہ قرآن ۱۳-۱۳۱۲ھ (۱۸۹۶ء) میں شائع ہوا تھا جس کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، ڈپٹی صاحب نے اس ترجمہ کی تمہید میں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین دونوں کے ترجموں کا مساوی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے اور دونوں کی تحسین فرمائی ہے اس تحسین و قدردانی کے بعد شاید کسی کا ادھر خیال بھی نہیں گیا کہ اس ترجمہ کی استنادی حیثیت اور شاہ رفیع الدین سے اس کی نسبت کی علمی تحقیق کر لی جائے۔

اور یہ صرف ایک اتفاق ہی نہیں ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین کو دیکھنے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں سے مولوی عبدالقادر چیف رامپوری[۲۴] اور مولانا سیّد محبوب علی جعفری،[۲۵] اور ان کے بعد کے متعدد ممتاز مؤرخین اور تذکرہ نگار ترجمہ شاہ رفیع الدین کا ذکر نہیں کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادۂ گرامی کا سب سے پہلا عالمانہ تذکرہ لکھنے والے باخبر اور مبصر عالم، شیخ محسن (محمد بن یحیٰ صدیقی) نزهتی **مؤلف اليانع الجي فی أسانيد الشيخ عبدالغنيء** بھی (جو صرف ایک واسطے سے حضرت شاہ رفیع الدین کے فرزند شاہ مخصوص اللہ کے شاگرد بھی ہیں) شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کا ذکر نہیں کرتے، حالانکہ انہوں نے موضح قرآن کا پُرزور تذکرہ کیا ہے۔[۲۶]

اسی دور کا مشہور فرانسیسی مستشرق گارسین دتاسی (Garcin De Tassy) بھی جو ہندوستان کی اُردو کتابوں اور مطبوعات پر وسیع علمی نظر رکھتا ہے، ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تذکرہ نہیں کرتا۔[۲۷]

مولانا عبدالحئی حسنی نے بھی نزھۃ الخواطر میں اس کا ذکر نہیں کیا،[۲۸] حالانکہ نزھۃ الخواطر میں فتح الرحمان،[۲۹] فتح العزیز[۳۰] اور موضح قرآن تینوں کا تعارف موجود ہے۔ خصوصاً مؤخرالذکر کا پرجوش تذکرہ کیا ہے اور اس کی شاہ عبدالقادر صاحب تک اپنی سند بھی نقل کی ہے۔[۳۱]

اگرچہ مؤلف نزھۃ الخواطر نے اپنی ایک اور کتاب "**الثقافة الإسلامیه فی الهند**" میں ترجمہ شاہ رفیع الدین کا سرسری ذکر کیا ہے مگر وہاں بھی اس کا تعارف ایسا نہیں جیسا موضح قرآن کا ہے۔[۳۲]

اسی طرح مولانا عبیداللہ سندھی بھی صرف موضح قرآن کا ذکر کرتے ہیں، شاہ رفیع الدین کے احوال و تعارف میں ترجمۂ قرآن سے صرف نظر کر لیتے ہیں، مولانا سندھی کی اہم تصانیف شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک "**التمهید لتعریف ائمة التجدید**" دونوں میں ترجمہ شاہ رفیع الدین کا ذکر نہیں۔[۳۳] مولانا نورالحق علوی نے "**التمهید**" میں شاہ رفیع الدین کے تذکرہ پر جو تعارفی حاشیہ لکھا ہے اس کا ایک فقرہ توجہ طلب ہے، مولانا نورالحق صاحب علوی لکھتے ہیں:

> "بعض پُرانے ثقات سے سنی ہوئی بات ہے کہ شاہ رفیع الدین نے صرف چند سورتوں کا ترجمہ کیا اور مولانا عبدالحئی نے اسے پورا کیا"۔[۳۴]

اسی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ پچھتر اسی سال پہلے تک دارالعلوم دیوبند کے علمی حلقوں میں اس ترجمہ کی شاہ رفیع الدین سے نسبت مشتبہ تھی اور اس موضوع پر گفتگو ہوتی تھی اور اس وقت کے اصحاب اس ترجمہ کے اکثر حصہ کو مولانا عبدالحئی بڈھانوی سے منسوب کرتے تھے، لیکن مؤخرالذکر اطلاع بھی محتاج ثبوت ہے۔ اگر اس ترجمہ کو مولانا عبدالحئی نے مکمل کیا ہوتا تو ان کے نامور فرزند، مولانا مفتی عبدالقیوم بڈھانوی اس کا ضرور تذکرہ فرماتے، مولانا عبدالقیوم صاحب ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے متعلق یہ تو فرماتے ہیں کہ:

> "یہ ترجمہ آپ (شاہ رفیع الدین) نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا، دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی"۔[۳۵]

یعنی شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ابتدائی مرحلہ میں ناتمام رہ گیا تھا، کسی اور شخص نے اس کو مکمل کیا ہے اور اپنے کام اور ترجمہ کو شاہ رفیع الدین سے منسوب کر کے انہی کے نام سے مشہور کر دیا۔ بظاہر یہ تکملہ اور شہرت دینے والے کوئی مجہول شخص تھے، اسی لیے مولانا عبدالقیوم ان کا نام نہیں لیتے، لیکن مفتی صاحب کے الفاظ سے یہ جھلک رہا ہے کہ یہ تکملہ و ترجمہ مولانا عبدالحئی کے علاوہ کسی اور کا ہے اور مشتبہ ہے، اگر مولانا عبدالحئی بڈھانوی نے یہ خدمت انجام دی ہوتی تو مولانا عبدالقیوم صاحب اس

سے واقف ہوتے اس کا تذکرہ کرتے اور اس پر شک و شبہ اور بے یقینی ظاہر نہ کرتے۔

مذکورہ تمام اطلاعات و شواہد و قرائن بتا رہے ہیں کہ اس معروف اُردو ترجمہ کا حضرت شاہ رفیع الدین سے انتساب درست نہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ علماء اور اہل فکرونظر اس پر توجہ فرمائیں اور اس کا سراغ لگائیں کہ یہ ترجمہ کس کا ہے اور اس کا حضرت شاہ رفیع الدین سے نسبت کس حد تک درست ہے، اگر یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کا نہیں ہے تو اس کا ولی اللّٰہی تراجم کی فہرست میں شمار اور اس پر اس قدر اعتماد کس طرح درست ہے؟۔

اور اگر اس ترجمہ کی حضرت شاہ رفیع الدین سے نسبت ثابت اور تاریخی علمی کسوٹی پر کھری اترتی ہے تو اس کے حوالے سامنے آنے چاہئیں اور اگر نسخہ مطبوعہ کلکتہ (۵۶-۱۲۴۵ھ) سے پہلے کے اس کے معتبر و مستند قلمی نسخے موجود ہیں یا تھے تو ان کی تفصیلات بھی ضروری ہیں، اُمید ہے کہ علماء کرام اور اصحابِ فکر و نظر ضرور اس پر توجہ فرمائیں گے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ملاحظہ ہو فتح الرحمٰن کی مفصل تمہید شمولہ فتح الرحمٰن مطبع مجتبائی میرٹھ

۲۔ تمہید تفسیر فتح العزیز آغاز سورۂ بقرہ

۳۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک متوسل، مبارک علی کنبوہ میرٹھی نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب وفات (شوال ۱۲۳۹ھ/ جون ۱۸۲۴ء) سے ایک دن پہلے آخری وعظ کہنے کے بعد اپنا سرمایہ اپنے ورثاء میں بطور ترکہ تقسیم فرما دیا، اور یہ ایک مشہور شعر معمولی تصرف کے ساتھ یوں پڑھا:

''من نیز حاضر می شوم تفسیرِ قرآں در بغل''، کمالات عزیزی، ص ۳۱۔ (طبع اوّل، میرٹھ ۱۲۹۰ھ)

۴۔ تفسیر فتح العزیز کی اس اشاعت کا جز تبارک، جس پر مطبع کا نام درج نہیں ''دارالأمارات''، ''کلکتہ'' سے میر حسین بخش کے اہتمام سے چھپا تھا۔ اس جز کی ۱۱رشوال ۱۲۴۸ھ (۴رمارچ ۱۸۳۳ء کو طباعت مکمل ہوئی، اس اشاعت کا ایک نسخہ جو دو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے، ہمارے ذخیرے میں موجود ہے۔

۵۔ یہ نسخہ جمادی الثانیہ ۱۲۰۵ھ (فروری ۱۷۹۱ء) کا لکھا ہوا ہے اور اس پر ۱۲۱۳ھ (۹۹-۱۷۹۸ء) کی ایک مہر بھی ثبت ہے، دوسرا: ۱۲۲۴ھ کا مکتوبہ ہے، تیسرا: جو حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حیات کا ہے۔ جناب کالی داس گپتا رضا کے ذخیرے میں ہے۔ چوتھا: ۲۹رربیع الاول ۱۲۲۹ھ (مارچ ۱۸۱۴ء) کا لکھا ہوا ہے یہ نسخہ غیر متعارف ہے حال ہی میں ایک ذخیرہ میں راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ جناب مشفق خواجہ صاحب نے موضح قرآن کے حضرت شاہ عبدالقادر کی حیات میں لکھے ہوئے صرف ایک نسخہ کا ذکر کیا ہے (جائزہ مخطوطات اُردو، ص ۵۹، لاہور: ۱۹۷۹ء)۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد کے بھی کئی نسخے معلوم و موجود ہیں جس میں ایک معروف نسخہ ۱۲۳۵ھ کا مکتوبہ رضا لائبریری، رام پور میں ہے۔

۶۔ ہمارے ذخیرہ کے موجودہ نسخوں میں دو نسخے مکمل ہیں، ایک نسخہ جس پر سنِ کتابت درج نہیں نہایت عمدہ، دیدہ زیب اور ایسا منقش و خوبصورت ہے کہ بس دیکھتے ہی رہیے، دوسرا نسخہ جو دو جلدوں میں مگر کسی قدر ناقص ہے حضرت شاہ محمد اسحاق کے مدرسے میں جمادی الآخر ۱۲۴۷ھ میں کتابت ہوا ہے اور اس پر اصل سے دو مرتبہ مراجعت و تصحیح کی بھی صراحت ہے۔ تیسرے نسخہ پر سن کتابت درج نہیں، یہ مکمل نصف آخر پر مشتمل ہے، چوتھا نسخہ: سورہ آل عمران سے سورہ طٰہٰ تک ہے مگر اس کے متن اور معروف و مستند نسخہ کے متن میں کئی جگہ پر ترمیم و اضافہ محسوس ہوتا ہے۔ پانچواں نسخہ تفسیر موضح القرآن کا ہے جو سات جلدوں میں مکمل ہوا ہے، یہ نسخہ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ (اکتوبر ۱۸۱۹ء) میں بیگم صاحبہ امت الحبیب کے لیے نقل کیا گیا تھا۔

۷۔ مولانا عبدالحئی حسنیؒ نے **نزهة الخواطر** میں موضح القرآن کی اپنی سند اس طرح نقل کی ہے: ''**عبدالحئی عن حمیرہ بنت علم الهدی عن بنت الشیخ عبدالقادر عن أبیه**--''، نزهة، ص ۳۰۳، ج۷ (حیدرآباد)۔

۷۔ ملاحظہ ہو: سیّد احمد شہید، چودہری غلام رسول مہر ص ۲۲۰، جلد وّل (طبع اوّل لاہور، بلاسنہ)

ب: سیرت سیّد احمد شہید، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، ص ۳۳۲، ج۱۔ (لکھنؤ: ۱۳۹۷ھ)

ج: محاسن موضح قرآن، مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی، (طبع دوم، لاہور)

د: جائزہ مخطوطاتِ اُردو، جناب مشفق خواجہ، ص ۹۹۸

۸۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ مطبع احمدی کلکتہ کے عنوان اور اسی سنِ طباعت (۱۲۴۵ھ) کی وضاحت سے موضح قرآن دو مرتبہ چھپا ہے، دونوں کے متن میں بھی کہیں کہیں اور حواشی میں بھی خاصا فرق محسوس ہوتا ہے۔

۹۔ مثلاً ملاحظہ ہوں: رسالہ ''اذان'' مؤلفہ محرم ۱۲۲۰ھ رسالہ ''شرح چہل کاف'' مؤلفہ صفر ۱۲۲۰ھ، رسالہ ''حلِ معما'' مؤلفہ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۰ھ، صناعت الأذہان مؤلفہ ربیع الاول ۱۲۳۰۔

ان کے علاوہ اور بھی چند رسائل کے آغاز یا اختتام پر تاریخ یا سن تالیف درج ہے اور اپنی اکثر تصانیف و مؤلفات کے آغاز میں حضرت شاہ صاحب نے اپنا نام صاف صاف لکھا ہے مثلاً ملاحظہ ہوں:

الف: رسالہ تکمیل صناعۃ الأذہان کے آغاز پر ہے: ''**وبعد فیقول محمد رفیع الدین**''---

ب: رسالہ تحقیق تصور میں فرماتے ہیں: ''**أما بعد فیقول العبد المسکین محمد رفیع الدین رزقه الله حق الیقین و الحقه بسلفه الصالحین. هذه مقالة فی شرح مسئلة منطقیة تصوّریة. حررتها بتوفیق خالق البریة**''---

ج: رسالہ توضیح المقدمہ (مقدمۂ کتاب کس کو کہتے ہیں اس کی حقیقت اور تعارف) کے آغاز پر تحریر فرماتے ہیں: ''**وبعد یقول العبد المسکین محمد رفیع الدین أدخله الله فی زمرة السابقین**''---

د: رسالہ عروض و قافیہ کی ابتدا ملاحظہ ہو: ''**وبعد یقول العبد المسکین محمد رفیع الدین الحقه اللّٰه بسلفه الصالحین**''---

س: رسالہ در بحث حدوث و قدم عالم کے آغاز پر ارقام ہے: ''**یقول العبد الضعیف محمد رفیع الدین الحقه الله بسلفه الصالحین**''---

۱۰۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے متعدد قلمی رسائل و مؤلفات، خود نوشت چند تحریریں اور متعدد فتاویٰ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے ذخیرے میں محفوظ ہیں۔

۱۱۔ سہ ماہی تناظر، دہلی-کالی داس گپتا رضا نمبر، ص ۵۹۷ (دہلی: ۱۹۸۵ء

۱۲۔ تفسیر سورۂ بقرہ شاہ رفیع الدین (معروف بہ تفسیر رفیعی) ص ۱ (باہتمام سیّد عبدالرزاق در مطبع نقشبندی-دہلی، ۷۲-۱۲۷۱ھ-۱۸۵۵ء) اس کے حاشیہ پر تفسیر یعقوب چرخی چھپی ہے۔ اس اشاعت کا ایک عمدہ نسخہ راقم سطور کے سامنے ہے۔

۱۳۔ تفسیر سورہ بقرہ فارسی شاہ رفیع الدین کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۱ھ، ذخیرہ آذر، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں دوسرا پشاور یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

۱۴۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین، طبع اوّل کلکتہ ۱۲۵۴ھ- (۳۹-۱۸۳۸ء)

۱۵۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین (طبع اوّل کلکتہ شوال ۱۲۵۶ھ، دسمبر ۱۸۴۰ء) ج۲، ص ۹۸۲۔

یہ اشاعت راقم سطور کو دستیاب نہیں ہوئی، اس کے اقتباسات اور متعلقہ تفصیلات ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی کتاب ''اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' سے لی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو: ص ۶۱، ۶۲ (لاہور: ۱۹۸۸ء)۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود تھا جو مولانا اخلاق حسین قاسمی نے دیکھا تھا۔ مولانا نے اس کا ذکر کیا ہے۔ محاسن موضح قرآن ص ۸۲، (بھیرہ: ۱۴۰۳ھ) اور ڈاکٹر نادر علی کے اندراج سے بھی یہی لگتا ہے کہ علی گڑھ میں اس کا نسخہ موجود تھا۔ ہندوستانی پریس ڈاکٹر نادر علی خاں، ص ۲۷۰، لکھنؤ: ۱۹۹۰ء)۔ مگر اب تلاش کرنے پر نہ یہ نسخہ ملا نہ اس کا کارڈ موجود ہے۔

۱۶۔ ترجمہ مطبوعہ دہلی، غالباً ۱۲۵۸ھ، ص ۶۳۲۔

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ اخبار دہلی، شمارہ ۲۶رجنوری اور ۲ر فروری ۱۸۴۰ء وغیرہ (شوال، ذی قعدہ ۱۲۵۵ھ کے پہلے صفحہ پر یہ اطلاع درج ہے: ''قرآن مجید، مولوی عبدالقادر صاحب۔ قریب چالیس جلد کے اس چھاپہ خانہ میں رہ گئے ہیں''، فائل دہلی، اُردو اخبار، دہلی ۱۸۴۰ء۔ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی۔ (دہلی: ۱۹۷۲ء)

یہ اطلاع اس وقت کی ہے جب سیّد معین الدین اس مطبع کے مالک و منتظم تھے۔

۱۹۔ ملاحظہ ہو: فائل دہلی، اُردو اخبار، ص ۱، ۹ یہ اشتہار ۲۶رجنوری سے ۱۰رمئی ۱۸۴۰ء کے شماروں تک چھپتا رہا۔

۲۰۔ فائل دہلی اُردو اخبار، اختتام شمارہ ۲۳راگست ص ۲۲۰ (دہلی: ۱۹۷۲ء)

۲۱۔ تاریخ صحافت اُردو، جناب امداد صابری، ص ۱۰۴، جلد اوّل (دہلی: ۱۹۵۳ء) نیز محمد حسین نوگاوی نے تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلماء میں لکھا ہے کہ: ''اشاعت دین خلوص سے کرتے تھے تو فضل خدا بھی شامل ہوا، دلی کی سلطنت ضعیفہ کا عہد تھا، اس زمانہ میں آپ نے ایک مطبع بھی جاری فرمایا اور ایک اخبار مسمی بہ ''اُردو اخبار'' جاری کیا اور کتب چھپوائیں، نئی نئی بات تھی ''کل جدید لذیذٌ'' خوب نفع ہوا تو پنجہ شریف کے روبرو کھجور والی مسجد بنوائی اور ایک امام باڑہ بڑا وسیع بنوایا۔ ایام عزا میں آپ بڑی دھوم دھام سے مجالس کرتے تھے، دہلی شہر میں مجمع کثیر ہوتا تھا۔ سوا سیر پختہ بریانی کا حصہ تقسیم ہوتا تھا اور خود ہی پانچ چھ گھنٹے تک وعظ فرماتے تھے، آپ کا بیان جادو بھرا ہوتا تھا۔

صدہا مسلمان مومن اور ہزارہا جھوجھرے ہوگئے''۔ (تذکرہ بے بہا، ص ۷۹، کاظم بکڈپو، دہلی: بلاسنہ)

۲۲۔ ترجمہ تزک تیموری، مترجمہ مولانا سبحان بخش شکارپوری کی پہلی طباعت ۱۸۴۵ء کے سرورق پر درج ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، راقم سطور کا مضمون ''قدیم دہلی کالج کے نامور مدرس، مصنف اور مترجم مولانا سبحان بخش شکارپوری (شکارپور ضلع مظفرنگر، یوپی) مجلّہ غالب نامہ دہلی، جنوری ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۰، ۱۳۱۔

۲۳۔ مثلاً: ترجمہ خلاصۃ التواریخ مارش مین، مترجمہ سروپ نرائن و شیو نرائن، مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے سرورق پر یہ الفاظ چھپے ہوئے ہیں: ''دہلی اُردو پریس، مکان مولوی محمد باقر صاحب، گزراعتقاد خاں، متصل پنجہ شریف چھاپا ہوا''۔

۲۴۔ وقائع روزنامچہ مولوی عبدالقادر چیف رام پوری۔ (مولفہ ۱۲۴۶ھ و ۱۸۳۱ء) اُردو ترجمہ بعنوان علم و عمل مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ حواشی ایوب قادری، ص ۲۴۶، ج ۲، (کراچی: ۱۹۷۰ء)

۲۵۔ تذکرۃ الائمہ بذکر خلفاء الأمۃ۔ نسخہ مؤلف (مخزونہ ہمدرد یونیورسٹی، لائبریری، جامعہ ہمدرد، دہلی) مولانا سیّد محبوب علی نے اس ضخیم کتاب (تقریباً ایک ہزار صفحات) میں شاہ رفیع الدین کا کئی موقعوں پر ذکر ہے لیکن مولانا جعفری شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن مجید کا تذکرہ نہیں کرتے۔ موضح قرآن اور اس سے پہلی دونوں قرآنی خدمات: فتح الرحمٰن اور فتح العزیز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تذکرۃ الائمہ کے مکمل نسخہ کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں ہے۔

۲۶۔ **الیانع الجنی فی أسانید الشیخ عبدالغنی شیخ محمد بن یحی نزھتی** ص ۱۲۸، (طبع اوّل، صدیقی بریلی: ۱۲۸۷ھ)۔ طبع دوم، (بر حاشیہ کشف الأستار عن رجال معانی الآثار) ص ۷۵، ۷۶ (دیوبند: ۱۳۴۹ھ)۔

۲۷۔ ملاحظہ ہو: خطبات گارسین و تاسی، اُردو ترجمہ (طبع اوّل، اورنگ آباد ۱۹۳۵ء)

۲۸۔ تعارف حضرت شاہ رفیع الدین صاحب۔ نزہۃ ص ۱۸۶ تا ۱۸۹ ج ۷

۲۹۔ فتح الرحمٰن کے لیے ملاحظہ ہو: نزہتہ الخواطر ص ۴۰۷، ج ۶ (حیدر آباد: ۱۹۰۸ھ/۱۹۷۸ء)۔ فتح العزیز کے لیے دیکھیے: نزہۃ ص ۲۸۰ ج ۷ (حیدر آباد: ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء) اور موضح قرآن کے تعارف کے لیے: نزہۃ ص ۳۰۳ ج ۷)۔

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (ترجمہ الثقافۃ الإسلامیہ فی الہند) از مولانا ابو العرفان جونپوری، ندوی، ص ۲۳۷ (اعظم گڑھ: ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء)۔

۳۳۔ التمہید لتعریف ائمۃ التجدید، ص ۳۳، ۱۳۲ (جام شورو، سندھ: ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۲۲ (طبع اوّل، لاہور: ۱۹۴۲ء)۔ طبع دوم، ص ۸۳ (لاہور: ۱۹۴۵ء)۔

۳۴۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۸۳ طبع دوم

۳۵۔ مقالات طریقت (احوال و واقعات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) عبدالرحیم ضیاء ص ۱۸، (حیدرآباد: ۱۲۹۲ھ)۔
